اُمّتِ مُسلمہ کے لیے لائحۂ عمل

(سورۂ آلِ عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں)

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

© rasailojaraid.com

اَلحمدُ للہِ الحمدُ للہِ وکفٰی والصلوٰۃُ والسّلامُ علٰی عِبادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خصوصاً علٰی افضلِھِم سیّدِ المُرسلینَ وخاتمِ النّبیّینَ محمّدٌ الامینِ وعلٰی آلہٖ واَصحابِہٖ اَجمعِینَ۔ اما بعد۔ فقد قالَ اللہُ تبارکَ وتعالٰی فی سُورۃِ آلِ عِمرانَ

اَعُوذُ بِاللہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا۔ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ۔ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ اما بعد عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنْ رَّسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُّنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَ ذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ۔ (رواہ مسلمؒ)

وَعَنِ الْحَارِثِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَاِنَّہٗ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَۃِ قِیْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ اِلَّا اَنْ یُّرَاجِعَ وَمَنْ دَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ فَھُوَ مِنْ جُثَی جَھَنَّمَ وَاِنْ

© rasailojaraid.com

صَامَ وَمَنْ زَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ۔ (رواہ احمد والترمذی رحمہما اللہ)

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ۔ (متفق علیہ)

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَلْهِمْنَا رُشْدَنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا اَنْ نُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِكَ بِاَمْوَالِنَا وَاَنْفُسِنَا۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ۔ اٰمین یارب العٰلمین۔

حضرات! میں نے اس وقت آپ کے سامنے سورۂ آلِ عمران کی تین آیات تلاوت کی ہیں۔ یہ آیات اس سورہ مبارکہ کے قریباً وسط میں واقع ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ سورۂ آلِ عمران دو سو آیات پر مشتمل ہے اور ان آیات کا نمبر ہے ۱۰۲، ۱۰۳ اور ۱۰۴۔ گویا قریباً وسط ہے۔ پھر میں نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تین ہی احادیث آپ کو سنائی ہیں۔ میرے نزدیک ان آیات و احادیث میں ہم مسلمانوں کے لئے ایک لائحۂ عمل ہے۔ اگرچہ قرآن مجید کے ہر لفظ میں علمی نکات بھی ہیں، حکمت و فلسفہ کے مسائل بھی ہیں۔ عملی رہنمائی بھی ہے۔ اور اسی طرح کا معاملہ حدیث نبوی علی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کا بھی ہے۔ قرآن مجید میں چار مقامات پر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جن چار افعالِ مبارکہ کا ذکر آیا ہے، وہ ہیں تلاوتِ آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت ـــــ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ ان مقامات پر تعلیم حکمت سے مراد حدیث ہے۔ بہرحال میں نے تین آیات اور تین ہی حدیثیں آپ کو سنائیں۔ ان میں یقیناً علمی اعتبار سے بڑے وقیع نکات ہیں۔ لیکن آج میری گفتگو ان عملی پہلوؤں کے بیان تک محدود رہے گی۔ جن کی رہنمائی ہمیں ان سے ملتی ہے۔ اس لئے کہ علمی نکات پر عموماً گفتگوئیں ہوتی رہتی ہیں اور جب علمی نکات پر توجہ کا ارتکاز زیادہ ہو جائے تو اکثر و بیشتر عملی رہنمائی کی طرف توجہ نہیں ہوتی ـــ جیسا کہ میں نے عرض کیا میری آج کوشش یہ ہوگی کہ ان آیاتِ مبارکہ اور ان احادیثِ نبویہ کے مطالعہ سے جو عملی لائحۂ عمل ہمارے سامنے آتا ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے میں آپ کے سامنے رکھوں۔

قرآن مجید کی یہ تین آیات اس عملی رہنمائی اور ہدایت کے اعتبار سے جو وہ اہلِ ایمان کے سامنے رکھتا ہے، جامع ترین آیات میں سے ہیں۔ اُمّتِ مسلمہ کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ایک مسلمان کے کیا فرائض ہیں اور اس پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں! اسے سب سے پہلے کن امور پر اپنی توجہات کو مرتکز کرنا ہوگا! ان کو بڑی جامعیت کے ساتھ پہلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسری آیت کا موضوع یہ ہے کہ ان افراد کو باہم جوڑنے والی چیز، انہیں ایک اُمّت بنانے والی شے، انہیں "حزب اللہ" بنانے والی چیز، ان کے مابین ذہنی و فکری ہم آہنگی اور عملی اتحاد پیدا کرنے والی چیز کون سی ہے!! — اور تیسری آیت میں یہ نشان دہی فرمائی گئی کہ اس اُمّت یا حزب اللہ یا اس جماعت کا مقصد کیا ہے!!! کس کام کے لئے اس کو محنت اور جدوجہد کرنی ہے!

اب آپ خود غور کر سکتے ہیں کہ ان تین آیات کا باہمی بڑا منطقی ربط ہے۔ اس لئے کہ ظاہر بات ہے کہ بڑی سے بڑی اجتماعیت بھی افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ اقبال نے خوب کہا ہے کہ ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر　　ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارا

افراد کا رخ درست نہ ہو تو اجتماعیت کا رُخ کیسے درست ہو جائے گا! اگر افراد وہ لائحہ عمل اختیار نہ کریں جو اُن کو دیا گیا ہے تو اجتماعی زندگی کے لئے جو صحیح لائحہ عمل ہے، اسے کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے! لہٰذا ترتیب یہی ہے کہ سب سے پہلے ہر فرد اپنے طور پر سوچے کہ مجھے کیا کرنا ہے، مجھ سے تقاضا کیا ہے! مجھ سے مطالبہ کیا ہے!! میں اس بات کو سمجھانے کے لئے مسجد کے منبر کی مثال دیا کرتا ہوں۔ چونکہ عام طور پر اس کی تین سیڑھیاں ہوا کرتی ہیں۔ میں عرض کیا کرتا ہوں کہ ظاہر بات ہے کہ اگر کوئی شخص چھلانگ لگا کر تیسری سیڑھی پر چڑھنا چاہے گا تو اوندھے منہ گرے گا۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ اولاً پہلی سیڑھی پر پھر دوسری سیڑھی پہ اور پھر تیسری سیڑھی پر پہنچنے کی کوشش کرے۔ ان تین آیات میں گویا عملی اعتبار سے یہ تین مراحل ہیں۔ یہ تین سیڑھیاں ہیں جو ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔

اب سب سے پہلی آیت کی طرف توجہ مرتکز فرمائیے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝" اے اہلِ ایمان! یا اے ایمان کے دعوے دارو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے۔ اور تمہیں ہر گز موت

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم فرمانبردار ہو" ـــــ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ قرآن مجید کا قریباً دو تہائی حصّہ مکّی سورتوں اور آیتوں پر مشتمل ہے۔ لیکن اس میں آپ کو کہیں "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ نہیں ملیں گے۔ زیادہ سے زیادہ سورۂ حج کے آخری رکوع میں آتے ہیں لیکن اس سورۂ مبارکہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ مکّی ہے یا مدنی۔ میرا جو بھی حقیر مطالعہ ہے اس کی رو سے میرا خیال یہ ہے کہ سورۂ حج کا معاملہ یہ ہے کہ یہ برزخی سورہ ہے۔ اس میں مکّی آیات بھی شامل ہیں، مدنی بھی اور سفرِ ہجرت کے دوران نازل ہونے والی آیات بھی۔ واللہ اعلم!

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے خطاب مدنی دور میں شروع ہوا ہے جبکہ ایک امّت کی تشکیل بالفعل اور بالقوہ ہو چکی تھی۔ لہٰذا امّتِ مسلمہ سے خطاب کے لئے یہ عنوان اختیار کیا گیا۔ ورنہ اہل ایمان سے خطاب کے لئے سورۂ عنکبوت میں آپ کو یہ الفاظ ملیں گے۔ "یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا"[1] یا سورۂ زمر میں یہ الفاظ مل جائیں گے: "یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ"۔ لیکن "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ مدنی سورتوں میں کثرت کے ساتھ آتے ہیں۔ مثلاً سورۃ الحجرات کُل اٹھارہ آیات پر مشتمل ہے۔ اس میں چھ آیات کا آغاز "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے ہوتا ہے اور دوسری طرف سورۃ الاعراف جو چوبیس رکوعوں پر مشتمل ہے اور وہ حجم کے اعتبار سے طویل ترین مکّی سورت ہے۔ اس میں ۲۰۶ آیات ہیں۔ جبکہ آیات کے اعتبار سے سورۃ الشعراء سب سے بڑی مکّی سورہ ہے جس کی آیات کی تعداد ۲۲۷۔ لیکن ان طویل مکّی سورتوں میں بھی کہیں "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے خطاب نہیں ملے گا۔ لہٰذا پہلی بات تو یہ سمجھئے کہ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ سے خطاب امّتِ مسلمہ سے ہے۔ اور یہ اندازِ تخاطب مدنی سورتوں میں نظر آتا ہے۔

دوسری بات یہ سمجھئے کہ سورۂ آلِ عمران کا غالب حصّہ ۳ھ میں نازل ہوا ہے۔ یعنی غزوۂ احد کے متصلاً بعد۔ لہٰذا ۳ھ کے حالات کو اپنے ذہن میں لائیے! مدینہ میں جہاں ایک کثیر تعداد مومنین صادقین کی ہے، جس میں مہاجرین بھی ہیں اور انصار بھی ہیں، جن کے متعلق سورۂ توبہ میں فرمایا "وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ"۔ لیکن ساتھ ہی کچھ ضعیف الایمان لوگ بھی ہیں۔ وہاں منافقین بھی ہیں۔ یہ گروہ وہاں عبداللہ ابن اُبی کی سرکردگی میں حضورؐ کی مدینہ تشریف لانے کے وقت ہی سے وجود میں آ گیا تھا۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ جب نبی اکرم

---

[1] "ترجمہ" اے میرے بندو جو ایمان لائے"

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

صلی اللہ علیہ وسلّم غزوۂ احد کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو ایک ہزار افراد آپؐ کے ساتھ تھے۔ لیکن پھر عبداللہ ابن ابی کے ساتھ تین سو افراد راستہ ہی سے واپس چلے گئے۔ اور حضورؐ کے ساتھ صرف سات سو افراد رہ گئے۔ اگر وہ تین سو افراد سب کے سب منافق نہیں تھے تب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں منافق بھی تھے اور ضعیف الایمان لوگ بھی تھے۔ اس لئے کہ جو لوگ نبی اکرمؐ کا اس وقت ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں جبکہ یقین سے معلوم ہو کہ جنگ ہو کر رہے گی، ان کے لئے ہلکے سے ہلکے الفاظ ہم یہی کہہ سکتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ اس موقع پر معاملہ گڈ مڈ تھا کہ صادق الایمان لوگ بھی حضورؐ کے ساتھ تھے ایسے لوگ کہ جن کے ایمان و یقین کی وسعت و گہرائی کا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کی گہرائی اور گیرائی کا ہم کیا تصوّر کریں گے! وہاں کمزور ایمان اور کمزور قوت ارادی والے لوگ بلکہ منافقین بھی موجود تھے لیکن قرآن ان سب سے جب خطاب کرتا ہے تو یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے کرتا ہے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ پورے قرآن مجید میں کہیں یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا نہیں آیا۔ یعنی اے منافقو! کہہ کر کہیں خطاب نہیں کیا گیا۔ جہاں منافقین سے بات ہوئی ہے وہاں بھی یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہی سے ہوئی ہے۔ ایسا کیوں ہے! اس لئے کہ ایمان کے دعوے دار تو وہ (یعنی منافقین) بھی تھے۔ کلمہ شہادت وہ بھی ادا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی امامت میں نمازیں وہ بھی ادا کرتے تھے لیکن جب انہیں جنگ کے لئے پکارا جاتا تھا یا جب ان سے انفاق کا تقاضا ہوتا تھا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو یا اللہ کی راہ میں جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلو، تب ان کی جان سوکھتی تھی۔ نمازیں وہ پابندی سے پڑھتے تھے اگرچہ ان کی قلبی کیفیت کے اظہار کے لئے قرآن میں 'کُسَالٰی' کا لفظ آیا ہے کہ نماز کے لئے اٹھتے بھی ہیں تو بڑے کسل کے ساتھ۔ ایک کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انسان پوری دل کی آمادگی کے ساتھ اٹھے، پورے ذوق و شوق کے ساتھ اٹھے۔ جس کا ایک درجہ وہ بھی ہے جسے ایک حدیث مبارک میں ان الفاظ سے تعبیر فرمایا گیا کہ وَرَجُلٌ قَلْبُہٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ[1]

بہرحال جن آیات کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں۔ ان میں یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب

---

[1] ترجمہ "اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے" نماز اور مسجد سے گہرے قلبی تعلق کے لئے یہ انداز تعبیر اختیار کیا گیا۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ہے۔ چنانچہ اہل ایمان سے پہلا تقاضا کیا گیا۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ "اے ایمان کے دعویدارو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے۔ تقویٰ کا مفہوم کیا ہے! بچ کر نکلنا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا۔ تقویٰ کا اصل مفہوم یہی ہے۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک انصاری صحابی ہیں جن کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا: اَقْرَءُھُمْ اُبَیُّ ابْنُ کَعْبٍ۔

صحابہ کرامؓ میں قرأتِ قرآن کے سب سے بڑے عالم یہ حضرت ابی ابن کعبؓ ہیں ان سے ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ "تقویٰ" کیا ہے! آپ اسے کیسے Define کریں گے؟ تو حضرت ابیؓ ابن کعب نے اس لفظ کی بڑی خوبصورت تشریح کی۔ صحابہ کرامؓ کی اس مجلس کے تمام شرکاء نے تسلیم کیا کہ بے شک یہ اس لفظ کی بہترین تعبیر ہے۔ ان کی توضیح کو میں اپنے الفاظ میں بیان کر دوں تو وہ یہ ہے:

"اے امیر المؤمنین! جب کسی شخص کو جنگل میں ایسی پگڈنڈی سے گزرنے کا اتفاق ہو، جس کے دونوں اطراف میں خار دار جھاڑیاں ہوں تو ایسی پگڈنڈی پر گزرتے وقت وہ شخص لامحالہ اپنے کپڑوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر اس راستہ کو اس طرح طے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے کپڑے جھاڑیوں اور ان کے کانٹوں سے الجھنے نہ پائیں تو اس احتیاطی رویے کو تقویٰ کہا جائے گا۔"

اب اس مفہوم کو سامنے رکھ کر اس آیت پر اپنی توجہات کو مرتکز کیجئے۔ ایمان کے معنی کیا ہیں! یہ کہ آپ نے توحید کے التزام کے ساتھ اللہ کو مانا، یوم آخرت کا اقرار کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانا۔ اب ان ایمانیاتِ ثلاثہ کا تقاضا کیا ہے! یہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو مانیے! وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ "اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اگر تم روگردانی کرو گے تو جان لو کہ صاف صاف پہنچانے کے سوا ہمارے رسول پر کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے" اور: مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ "جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیں اسے مضبوطی سے تھامو اور جس سے روکیں، اس سے رک جاؤ"۔۔۔ آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا کیا ہے! یہ کہ: وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْھَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُھَا شَفَاعَۃٌ وَّلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝ اور بچو اس دن (کی سزا) سے کہ جس دن کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی کام

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو ایک ہزار افراد آپؐ کے ساتھ تھے۔ لیکن پھر عبداللہ ابن ابی کے ساتھ تین سو افراد راستہ ہی سے واپس چلے گئے ۔ اور حضورؐ کے ساتھ صرف سات سو افراد رہ گئے ۔ اگر وہ تین سو افراد سب کے سب منافق نہیں تھے تب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں منافق بھی تھے اور ضعیف الایمان لوگ بھی تھے ۔ اس لئے کہ جو لوگ نبی اکرمؐ کا اس وقت ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں جبکہ یقین سے معلوم ہو کہ جنگ ہو کر رہے گی، ان کے لئے ہلکے سے ہلکے الفاظ ہم یہی کہہ سکتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ اُس موقع پر معاملہ گڈمڈ تھا کہ صادق الایمان لوگ بھی حضورؐ کے ساتھ تھے ایسے لوگ کہ جن کے ایمان و اخلاص کی وسعت و گہرائی کا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے ایمان کی گہرائی اور گیرائی کا ہم کیا تصوّر کریں گے ! وہاں کمزور ایمان اور کمزور قوتِ ارادی والے لوگ بلکہ منافقین بھی موجود تھے لیکن قرآن ان سب سے جب خطاب کرتا ہے تو یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے کرتا ہے ۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ پورے قرآن مجید میں کہیں یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا نہیں آیا۔ یعنی اے منافقو! کہہ کر کہیں خطاب نہیں کیا گیا۔ جہاں منافقین سے بات ہوئی ہے وہاں بھی یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہی سے ہوئی ہے۔ ایسا کیوں ہے! اس لئے کہ ایمان کے دعوے دار تو وہ (یعنی منافقین) بھی تھے ۔ کلمہ شہادت وہ بھی ادا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نمازیں وہ بھی ادا کرتے تھے لیکن جب انہیں جنگ کے لئے پکارا جاتا تھا یا جب ان سے انفاق کا تقاضا ہوتا تھا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو یا اللہ کی راہ میں جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلو، تب ان کی جان سوکھتی تھی۔ نمازیں وہ پابندی سے پڑھتے تھے اگرچہ ان کی قلبی کیفیت کے اظہار کے لئے قرآن میں 'کُسَالٰی' کا لفظ آیا ہے کہ نماز کے لئے اٹھتے بھی ہیں تو بڑے کسل کے ساتھ۔ ایک کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انسان پوری دل کی آمادگی کے ساتھ اٹھے، پورے ذوق و شوق کے ساتھ اٹھے۔ جس کا ایک درجہ وہ بھی ہے جسے ایک حدیث مبارک میں ان الفاظ سے تعبیر فرمایا گیا کہ وَرَجُلٌ قَلْبُہٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ[1]

بہرحال جن آیات کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں۔ ان میں یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب

---

[1] ترجمہ "اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے" نماز اور مسجد سے گہرے قلبی لگاؤ کے لئے یہ اندازِ تعبیر اختیار کیا گیا۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ہے۔ چنانچہ اہلِ ایمان سے پہلا تقاضا کیا گیا۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ "اے ایمان کے دعویدارو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے۔ تقویٰ کا مفہوم کیا ہے! بچ کر نکلنا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا۔ تقویٰ کا اصل مفہوم یہی ہے۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک انصاری صحابی ہیں جن کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا: اَقْرَءُھُمْ اُبَیُّ ابْنُ کَعْبٍ۔ صحابہ کرامؓ میں قرأتِ قرآن کے سب سے بڑے عالم یہ حضرت ابی ابن کعبؓ ہیں ان سے ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ "تقویٰ" کیا ہے! آپ اسے کیسے Define کریں گے؟ تو حضرت ابیؓ ابن کعب نے اس لفظ کی بڑی خوبصورت تشریح کی کہ صحابہ کرامؓ کی اس مجلس کے تمام شرکاء نے تسلیم کیا کہ بے شک یہ اس لفظ کی بہترین تعبیر ہے ان کی توضیح کو میں اپنے الفاظ میں بیان کروں تو وہ یہ ہے:

"اے امیر المؤمنین! جب کسی شخص کو جنگل میں ایسی پگڈنڈی سے گزرنے کا اتفاق ہو جس کے دونوں اطراف میں خاردار جھاڑیاں ہوں تو ایسی پگڈنڈی پر گزرتے وقت وہ شخص لامحالہ اپنے کپڑوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر اس راستہ کو اس طرح طے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے کپڑے جھاڑیوں اور ان کے کانٹوں سے الجھنے نہ پائیں تو اس احتیاطی رویّے کو تقویٰ کہا جائے گا۔"

اب اس مفہوم کو سامنے رکھ کر اس آیت پر اپنی توجہات کو مرتکز کیجئے۔ ایمان کے معنی کیا ہیں! یہ کہ آپ نے توحید کے التزام کے ساتھ اللہ کو مانا، یوم آخرت کا اقرار کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانا۔ اب ان ایمانیاتِ ثلاثہ کا تقاضا کیا ہے! یہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو مانیے! وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ○ "اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اگر تم روگردانی کرو گے تو جان لو کہ صاف صاف پہنچانے کے سوا ہمارے رسول پر کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے" اور: مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ "جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیں اسے مضبوطی سے تھامو اور جس سے روکیں، اس سے رک جاؤ"۔ آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا کیا ہے! یہ کہ: وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْھَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُھَا شَفَاعَةٌ وَّلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ ○ اور بچو اس دن (کی سزا) سے کہ جس دن کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی کام

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

نہیں آئے گا اور نہ قبول کیا جائے گا اس کی طرف سے کوئی فدیہ اور نہ کام آئے گی اس کے حق میں کسی کی سفارش اور نہ کسی کی طرف سے ان کو مدد پہنچے گی۔"

پس پہلا تقاضا ہے تقویٰ ۔۔ اگر واقعتاً ایمان دل میں ہے تو ہر لفظ زبان سے نکالنے سے پہلے انسان سوچے گا کہ میرے اس لفظ کی ادائیگی سے اللہ راضی ہوگا یا ناراض! میں اس کو قیامت کے دن Justify کر سکوں گا یا نہیں! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اسے کہنے کا مجھے حق حاصل ہے یا نہیں! ہر حرکت جو ہمارے اعضاء و جوارح سے ہو، وہ ہاتھ سے ہو، پاؤں سے ہو۔ یہاں تک کہ آنکھ کی حرکت کی بھی جوابدہی کرنی ہوگی۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ اے علیؓ! کسی نامحرم عورت پر پہلی مرتبہ اچانک نگاہ پڑ جائے وہ تو معاف ہوئی لیکن دوسری مرتبہ اگر نگاہ اٹھی تو وہ معاف نہیں ہے اس لئے کہ یہ انسان کا ارادی عمل ہے۔ معلوم ہوا کہ زبان، آنکھ، کان کا ہر ارادی عمل مسئول ہیں: اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا

آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ طرز عمل تھا کہ جب کبھی کسی راستہ میں ان کے کانوں میں گانے بجانے کی آواز آتی تھی تو فوراً اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اور ساتھ چلنے والے سے پوچھتے تھے کہ اب تو آواز نہیں آ رہی! جب ان کو بتا دیا جاتا تھا کہ آواز نہیں آ رہی تب وہ کانوں سے انگلیاں نکالتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ہمارا پورا وجود، ہماری آنکھیں ہوں، ہمارے کان ہوں، ہماری زبان ہو ان سب کے استعمال میں ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔ زبان کے بارے میں تو حضورؐ نے یہ فرمایا کہ جہنم میں سب سے زیادہ لوگوں کو جھونکنے والی شے یہ زبان ہے۔ زبان کے غلط استعمال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حَصَائِدُ الْاَلْسِنَةِ قرار دیا ہے۔ یعنی زبان کی وہ کھیتیاں جو آخرت میں کاٹنی ہوں گی ۔۔۔ قرآن خبر دیتا ہے کہ انسان کوئی لفظ منہ سے نہیں نکال پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس ہی ایک ہوشیار نگران تیار رہتا ہے۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ پھر یہ کہ ہمارے جو اعضاء و جوارح ہیں ان سے جو حرکت بھی سرزد ہو وہ اس احساس کے تحت ہو کہ مجھے اس کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ اور آخرت کے دن اس کا حساب دینا ہوگا۔ Account for کرنا ہوگا۔ یہ احساس اور یہ روش تقویٰ ہے ۔۔ فرمایا کہ اتنا تقویٰ اختیار کرو جتنا اللہ کے تقویٰ کا حق ہے: اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ۔ معمولی تقویٰ مطلوب نہیں ہے بلکہ پوری حدود و قیود کے ساتھ مطلوب ہے۔ "حَقَّ تُقٰتِهٖ" کی شان والا تقویٰ درکار ہے۔ ہم اور آپ تلاوت کرتے وقت اس آیت پر سے سرسری طور پر گزر جاتے ہیں۔ ہمیں خیال ہی نہیں

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

آتا کہ قرآن کی یہ آیت ہم سے کیا مطالبہ کر رہی ہے۔ لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس پر گھبرا گئے، لرز اٹھے کہ کس انسان کے لئے ممکن ہے کہ وہ اتنا تقویٰ اختیار کر سکے جتنا اس کا حق ہے۔ یہاں تو گویا یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ ہمارے اعضاء و جوارح سے کسی لمحہ بھی کوئی جنبش اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ جبکہ انسان کا معاملہ یہ ہے کہ اس سے خطا ہو سکتی ہے۔ کہیں جذبات سے مغلوب ہو کر، کہیں غیر شعوری طور پر، کہیں بھول میں خطا کا صدور ہو سکتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ گھبرا گئے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کی کہ ہم میں سے کون ہو گا جو اللہ کا ایسا تقویٰ اختیار کر سکے جیسا کہ تقویٰ کا حق ہے ـــــ اللہ تعالیٰ بڑا غفور، بڑا رحیم، بڑا مہربان ہے۔ اس نے مومنین صادقین کی دل جوئی اور اطمینان کے لئے سورۂ تغابن میں یہ وضاحت فرمائی: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا تمہارے حدِ امکان میں ہے" اب صحابہؓ کی جان میں جان آئی کہ انسان اپنی استطاعت کے مطابق تو کر سکتا ہے ـــ لیکن یہاں مغالطہ نہ ہو جائے کہ تقویٰ کی روش اختیار کرنے کی شعوری کوشش یہ سمجھ کر چھوڑ دی جائے کہ ہم میں اس کی استطاعت ہی نہیں ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ کس کو اس نے کتنی استطاعت دی ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی بھی اس مغالطہ میں مبتلا ہو گیا کہ مجھ میں فلاں فرائضِ دینی کی بجاآوری کی استعداد و استطاعت ہی نہیں ہے تو جان لیجئے کہ یہ خالص شیطانی وسوسہ ہے۔ یہ عذرِ گناہ بدتر از گناہ والا معاملہ ہو جائے گا۔

اب اگلے ٹکڑے پر آیئے۔ آیت کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظِ مبارکہ پر: وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ لفظی ترجمہ یہ ہو گا۔ "اور ہرگز مت مرنا مگر اسلام (فرماں برداری) کی حالت میں"۔ اسلام کسے کہتے ہیں؟ سرِ تسلیم خم کرنے کو ـــ فارسی زبان میں اس کی تعبیر ہو گی "گردن نہادن"، انگریزی میں اسے To Surrender اور To Submit کہا جائے گا۔ یعنی کوئی مقابلہ تھا اس میں آپ نے ہتھیار رکھ دیئے، سپر ڈال دی، تو اس رویہ کا نام "اسلام" ہے۔ تو یوں سمجھئے کہ ہمارا نفس اللہ سے مقابلہ کرتا ہے۔ اللہ کا حکم کچھ ہے، نفس کا تقاضا کچھ اور ہے۔

پس خیر و شر کی کشمکش اور کشاکش انسان کے باطن میں چلتی رہتی ہے لیکن جب انسان ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیتا ہے کہ اب جو اللہ کا حکم ہو گا اور اس کے رسولؐ کا حکم ہو گا بجا لائیں گے، جو ان کا فرمان ہو گا، اس کے مطابق عمل کریں گے۔ تو یہ اسلام ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ "تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر حالتِ اسلام میں" اس کلام میں جو بلاغت ہے اسے سمجھئے کہ زندگی کے

© rasailojaraid.com